عالمی تہذیب پر
عربی تہذیب کی اثر اندازی

ترجمہ: جناب خالد کمال، مبارکپوری

عربی تہذیب تین براعظموں کی اقالیم متوسطہ میں چالیس صدی قبل سے رائج ہے۔ اگرچہ اس کی ابتداء کا دور ابھی حدِ تحقیق تک نہیں پہنچا ہے پھر بھی تاریخ کا یہ مسئلہ حقیقت سے قریب تر ہے کہ جزیرۂ عرب، وادیٔ فرات اور حجاز کے شمال میں شمس، سنا اور رباب ایل جیسے الفاظ استعمال کئے جاتے تھے اور باقاعدہ وہی معنی لئے جاتے تھے جو آج ہزارہا برس گزر جانے کے بعد بھی مراد لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ شمس (سورج) سے شمس سنا سے قمر اور رباب ایل سے باب اللہ مراد ہوتا تھا۔ اور باوجود طرزِ تکلم کے اختلاف کے یہ مراد بغیر کسی ترجمان کے بآسانی سمجھ میں آجاتی تھی۔ ان الفاظ میں نہ اس وقت کوئی خفا تھا اور نہ اب ادب وتدوین کے ہزارہا مراتب طے کرنے کے بعد ان میں کوئی خفا رہ ہے۔

عربی قافلے تجارتی سلسلے میں جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں مثلاً وادیٔ نہرین، شام کے دیہات مغانی نبط اور حجاز کے شمالی علاقوں میں آیا جایا کرتے تھے۔ اگرچہ اس وقت ان مقامات کے یہ اسمار نہیں تھے جو دعوتِ اسلام کے بعد مشہور ہوئے لیکن اصل اور تہذیب کے لحاظ سے عرب ہی شمار کئے جاتے تھے۔ کیونکہ اسمار عام طور پر مسمیٰ کے بعد وجود میں آیا کرتے ہیں:

بابل وکلدان کو ہم اس اعتبار سے عرب شمار کر سکتے ہیں کہ عربوں کی طرح وہ بھی اپنے شہروں میں عربی زبان بولا کرتے تھے۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک بابل وکلدان کے شہروں میں عرب تاجر گھوما کرتے تھے اور اپنی زبان عربی استعمال کرتے اور بغیر کسی ترجمان کے وہاں کے باشندوں سے معاملہ کیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہاں کے باشندے بھی عربی زبان جانتے تھے۔

عالمی تہذیب میں عربی تہذیب کو ہم اس نقطۂ نظر سے اثرانداز دیکھ سکتے ہیں کہ قدیم زمانے سے عرب اپنی لغت، اپنے اصول، اپنی عادات واطوار کے اعتبار سے اقوامِ عالم سے اپنے اور ان کے اسمار اصطلاحی کے وجود سے پہلے ہی سے ممتاز چلے آرہے ہیں، کیونکہ عربوں کی تاریخ مورخین کی حدِ نگاہ سے بھی قدیم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عالمی تہذیب پر عربی تہذیب کا اثر غایت درجہ وسیع اور پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو کرۂ ارض کا کوئی خطہ آج عربی تہذیب کے شاہکاروں سے خالی نہیں مل سکتا۔ اس دعویٰ کی دلیل کے لئے مجھے کتب و اسانید پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صرف یہ ایک دلیل کافی ہے کہ جب بھی آسمانی گردش صبح سے شام کرتی ہے تو ہمارے سامنے عربی تہذیب کا مکمل نمونہ پیش ہو جاتا ہے۔ ہزاروں سال سے ہمارے سامنے صبح شام آتا جاتا رہتا ہے۔ کیونکہ روزانہ جب مطلع شمس حرکت کر کے ایک نئے مطلع میں داخل ہوتا ہے تو اس کی یہ حرکت عربی تہذیب کے دائرہ ہی میں ہوا کرتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ عربی تہذیب نے ایام کو ہفتہ میں تقسیم کر رکھا ہے اور ہر ہفتہ مطلع کوکب پر شمس سے زہری تک تقسیم ہوتا ہوا ساتویں مطلع یعنی زحل تک تقسیم ہوتا رہتا ہے جو سب سے اونچا سیارہ مانا جاتا ہے۔ اور یہ تقسیم تہذیب عرب نے آج سے تقریباً چالیس صدی قبل سے کر رکھی ہے۔

یہ عربی تہذیب جو آج تک محفوظ ہے اور ایام بقا کو طے کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے اس معنی کر کے مغرب کی مرہونِ منّت ہے کہ انہوں نے ہفتہ اور ایّام کی تقسیم کے سلسلہ میں مشرق کی جملہ تہذیب کو چھوڑ کر عربی تہذیب کو اپنایا۔ بہت سے یورپین اس زمانے میں بھی جب اتوار کو (SUNDAY سورج کا دن) کہتے ہیں تو ان کے ذہن میں یہ خیال فوراً آ جاتا ہے کہ ہم اس وقت عربی تہذیب کو دہرا رہے ہیں۔ اسی طرح دوشنبہ کو (MONDAY - چاند کا دن) منگل کو (TUESDAY - مریخ کا دن) بدھ کو (WEDNESDAY - عطارد کا دن) پنجشنبہ کو (THRUSDAY - مشتری کا دن) جمعہ کو (FRIDAY - زہرہ کا دن)۔ اور سنیچر کو (STURDAY - زحل کا دن) کہتے ہیں۔ اور یہ صرف انگریزی زبان ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ جرمن اور لاطینی زبان میں بھی اسی کے ہم معنی الفاظ موجود ہیں جیسا کہ "اخوان الصفا" میں صدیوں قبل اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔

عربی تہذیب کی صرف یہی ایک زندہ نشانی قدیم و جدید زمانہ میں تہذیب عالم کے اندر اثر اندازی کے لئے کافی ہے، کیونکہ یہ ایک ایسی کھلی نشانی ہے جو پورے کرۂ ارض کو گھیرے ہوئے ہے اور اس سلسلہ میں ریسرچ کرنے والوں کے لئے یہی کافی ہے کہ سارے عالم میں ایام عربی تہذیب کے مطابق شمار کئے جاتے ہیں جو عربی تہذیب کو باقی رکھنے کے لئے کافی ہے۔

عربی تہذیب نے دعوتِ اسلام کے بعد تہذیبِ عالم پر جس قدر اثر اندازی کی ہے اس کی دلیل میں صرف مغربی زبانوں کے ان الفاظ کو پیش کر دینا کافی ہے جو آج تک ان مغربی زبانوں میں بار بار استعمال کئے جاتے ہیں اور بغیر کسی لفظی و معنوی تغیر کے ان کی روزمرہ کی زندگی کے جزو بنے ہوئے ہیں۔ اور جو اسبابِ معیشت سے لے کر لہو و لعب تک میں برابر جاری و ساری ہیں۔ چنانچہ وہ عام طور پر لفظ قمیص CHEMISE استعمال کرتے ہیں جو خالص عربی لفظ ہے۔ اسی طرح دمشقی، موصلی، اور غزی، ریشمی

کپڑوں کو اہل مغرب دمشق، موصل اور غزہ کے نام سے اب تک یاد کرتے ہیں۔ اسی طرح عود LUTE۔ نقارہ NOKER۔ ربابہ REBEC۔ اقلید (کنجی) CLE وغیرہ کو عربی الفاظ و معانی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح قہوہ بھی عربی لفظ ہے جو عام طور پر مغربی زبانوں میں مستعمل ہے۔

ان الفاظِ معیشت کا مغربی زبانوں میں اس قدر شمول و دخول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عربی تہذیب نے عالمی تہذیب کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ کیونکہ یہ ایسے الفاظ ہیں جو جاہل، عالم، گھر، مدرسہ، کپڑا، خوراک اور کھیل کود اور دیگر ضروریات کے شعبے میں چھائے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک اجنبی تہذیب کا دوسری تہذیب پر اس سے زیادہ اور کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

حروف و اعداد اور ہندسہ کو لے لیجیے جو اپنی مخصوص نشانیوں اور علامتوں کے ساتھ عربی کے ذریعہ دنیا میں پھیلے ہیں۔ ان ہندسوں کو چھوڑیئے جن کی نسبت عربوں کی جانب مسلم ہو چکی ہے۔ آپ صفر کو لے لیجیے۔ جس نے علم الحساب و ریاضی کے بہت سے عقدہ ہائے لاینحل کا پردہ چاک کر دیا۔ گویا یہ سحر یا سفرہ کی ایک علامت ہے جسے صفر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حروف ابجد کی تاریخ مرتب کرنے والے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ سب سے پہلے جزیرہ سینا میں پائے گئے اور وہاں سے شمال کی جانب بلاد نبط میں اور جنوب کی جانب یمن میں پھیلے۔ پھر ان ہی دونوں مقامات سے مشرق و مغرب میں عام ہوئے۔

اس میں شک نہیں کہ مغربی حروف ابجد A، B، C، D ہی مغرب کے ابجد ہیں اور جیم جو ابجد کے قاعدے سے لکھتے ہیں اونٹ کی گردن کی شکل میں ہوتی ہے۔ یہ اشارہ ہے عرب کے دیہاتوں میں بے شمار اونٹوں کی موجودگی جانب اور کوئی حرف ابجد اس وقت تک عالم وجود میں نہیں آیا جب تک کہ دوسرے حروف سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

آیئے حروف و اعداد سے آگے بڑھ کر سفر و سفرہ کی جانب نظر ڈالیں جہاں عالمی تہذیب پر عربی تہذیب کے اثر کو صرف اس ایک سطر میں دیکھ سکتے ہیں کہ عربی علم جغرافیہ اور عربی علم فلک ہی کا طفیل ہے کہ آج دنیا کو امریکہ جیسے نامعلوم خطہ سے اور دنیا کے دیگر جدید دریافت شدہ ممالک سے آگاہی ہوئی۔ کیونکہ قدیم یونانی جغرافیہ طاقِ نسیان کی نذر ہو چکا تھا اور اسے بالکل فراموش کر دیا گیا تھا۔ اللہ نے عربوں کو اس کی توفیق دی، جنہوں نے نہ صرف قدیم یونانی جغرافیہ کو زندہ کیا بلکہ اس کے اندر اپنے تجربات و افادات کا اضافہ کیا اور مشرق و مغرب کے ممالک کا طول و عرض نکال کر حساب درست کیا۔ اس طرح بطلیموس کے جغرافیہ میں بھی اسی اعتبار سے تبدیلی کی۔ مغرب کو بطلیموس وغیرہ کے جغرافیے انہیں عربوں کے ذریعہ پہنچے ہیں۔ خصوصاً مغرب کے ایک مایہ ناز اسلامی خطہ صقلیہ میں تو ایک مشہور عرب جغرافیہ نویس شرف الدین ادریسی کے ذریعہ پہنچا جس کو ملک صقلیہ راجر ثانی نے اپنا معتمد بنا کر اپنی حکومت کی تحدید و نشان دہی کے لئے بلوا رکھا تھا۔

مغرب نے نقشہ کے لئے چارٹ کا لفظ (CHART) استعمال کیا ہے جو عربی زبان سے منقول ہے کیونکہ عرب اس وقت اپنے نقشوں کو چمڑے کے ٹکڑوں پر بنایا کرتے تھے۔ جب تک کہ کاغذ پر اس قسم کے نقشے بنانے کا رواج عام نہ ہوا تھا۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ وہ چارٹ جس پر اعتماد کرکے کولمبس نے امریکہ کی دریافت پر مستعدی کا اظہار کیا تھا وہ قدیم وجدید عربی علوم کی بنا پر جغرافیہ کی معلومات کی روشنی میں تیار کیا گیا تھا۔

علمِ فلک بھی عربی تہذیب کا ایک بہترین مظہر ہے۔ جس کے اثرات مغرب میں آج بھی موجود ہیں۔ اور انہیں حروف تہجی کے ساتھ لکھے پڑھے جاتے ہیں جو عرب میں مشہور و معروف ہیں، مثال کے طور پر یہ چند الفاظ نسر WEGA - سعد السعود SADALSUD - ثور TAURI - اور راعی وغیرہ جو علم الفلک کے اصطلاحی الفاظ شمار کئے جاتے ہیں خالص عربی ہیں اور مغربی زبان میں ان کا انہیں الفاظ و معانی کے ساتھ استعمال ہونا عربی تہذیب کی مغرب پر اثر اندازی کا بین ثبوت ہے۔

جس طرح عربوں نے منطق، فلسفہ اور دوسرے علوم نظریہ میں نہ صرف مہارتِ تامہ حاصل کی بلکہ ان کے خالق بھی بنے، اسی طرح فن تعمیر میں بھی ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ ویسے مشہور ہے کہ عرب سیاح تو ہوتے ہیں لیکن معمار اور انجنیر نہیں ہوتے۔ لیکن کسی بات کا مشہور ہونا اور نفس الامری واقعہ کے اعتبار سے اس کا وقوع پذیر ہونا دونوں دو مختلف چیزیں ہیں۔ چنانچہ اگر آپ مشاہدہ کریں تو دیکھیں گے کہ فلک بوس عمارتیں اور ان کی چھتیں، ان کے ستون اور قوس نما محرابیں اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ عرب اس فن میں بھی دوسرے فنون کی طرح ماہر اور کامل تھے۔ ماہرین آثار قدیمہ نے یورپ کے مختلف حصوں سے اس قسم کے کھنڈرات برآمد کئے ہیں جن پر قرآنی آیتیں کندہ ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ یورپ عربوں کی ہر ہر چیز میں اندھی تقلید کرتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ ان آیتوں کے معانی و مطالب سے بھی واقف نہیں ہوتے تھے۔

یورپ کے اہلِ علم طبقہ میں دو لقب بہت مشہور ہیں جنہیں وہ منطق و فلسفہ کے سلسلہ میں قدم قدم پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ دو لقب الفیلسوف الکبیر اور الشارح الکبیر ہیں۔ چنانچہ جب وہ فیلسوف کبیر بولتے ہیں تو ان کی مراد معلم اول ارسطو یونانی ہوتی ہے جو فلسفہ مشائین کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ اور شارح کبیر سے ان کا مقصود فلسفی قرطبہ ابن رشد کی جانب اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ جو یورپ کے ان فلسفیوں کا استاد تھا جو یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے بانی شمار کئے جاتے ہیں۔

فن ہندسہ اور ریاضی کے دوش بدوش فن جہاز رانی کو بھی عربوں کی تہذیب کا کرشمہ سمجھنا چاہیئے۔ اگرچہ اکثر جلد اصحاب فکر یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اس علم کو عربی تہذیب اور عربی طرز زندگی سے کیا نسبت جنگل، دیہات میں رہنے والے عرب بدو کو سمندری جہاز کی کیا ضرورت۔ ان کو تو ریگستانی جہاز میں مہارت کی ضرورت ہے جو اونٹ کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اور یہ بھی ایک غلط پروپیگنڈا ہے کیونکہ فن جہاز رانی خالص عربی فن

ہے جس کے طفیل عربوں نے افریقہ کے بہت سے سواحل دریافت کئے، وہاں پر سکونت اختیار کی اور قریب تھا کہ خلیج فارس میں جہاز رانی کی قیادت انھیں کے ہاتھ میں آجائے۔ ان کے سینکڑوں جہاز مشرقی سمندر میں ہندوچین کے لئے چلا کرتے تھے۔ چنانچہ آج بھی بہت سے عربی الفاظ سفری لغت میں تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ بلا تکلف استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً فلک FELOUQUE۔ طرح السفینہ TARE۔ دارالصناعۃ ARSENOL۔ اور امیر البحر ADMIRAL وغیرہ عربی الفاظ ہیں ان کے علاوہ لفظ BOAT (کشتی) کے متعلق اہل علم کا یہی خیال ہے کہ یہ عربی لفظ "وصلہ" سے ماخوذ ہے۔

طب کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ یورپ کے جامعہ لوفان نے سترھویں صدی تک علم ادویہ، مرکبات و مفردات ذکریا رازی، ابن سینا اور ابن ہیثم کی کتابوں سے بڑھ کر کوئی کتاب معتبر و مفید نہیں پائی اور اطباء عرب نے تشریح ابدان اور وظائف اعضاء کے سلسلہ میں بقراط کی رائے کی تصحیح کی۔ کیمیا کے متعلق صرف اتنا کہنا ہے کہ مشہور جوہر قلوبات آج بھی عربی الفاظ و معانی کے ساتھ مغربی زبانوں میں برابر استعمال ہو رہا ہے اور اسے ALKALI کی شکل میں آج بھی لکھتے پڑھتے ہیں۔ اسی طرح جابر بن حیان سے پہلے کسی مغربی کتاب میں یہ حقیقت مفقود تھی کہ چاندی کا پانی اشیاء حالفہ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی طرح بارود کی تکمیل کے انکشاف کا سہرا بھی عربوں کے مشہور شاگرد راجر س بیکن کے سر ہے۔

آپ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ یہ سب دعوے بجا۔ لیکن مغربی ادب کو آپ عربی تہذیب کا احسان مند نہیں قرار دے سکتے۔ جس طرح کہ دوسرے علوم و مباحث اختلاف لغت واصول و قواعد اور آرین شامی زبان کے اختلاط کے سبب عربی تہذیب کے محتاج ہوئے حالانکہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ مغربی ادیبوں نے عربی ادب سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ چنانچہ اگر آپ مشہور اطالوی ادیب کی "دس صحیفے" اور مشہور اسپینی ادیب سرفانیز کی "دون کیشوت" اور انگریزی کے نامور ادیب شکسپیر کی "خاتمہ کا اعتبار"۔ اور اطالوی ادیب دانتی کی "قصہ الٰہی" پڑھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ عربی کی مشہور کتاب "الف لیلیٰ"، محی الدین ابن عربی کی کتب اور ابن طفیل کی حکایتوں سے جو سراپا ادبی ہیں کس قدر متاثر ہیں اور ان کا طرز مغرب کے ادیبوں میں کس درجہ موجود ہے۔

جدید اطالوی شعراء نے لاطینی زبان سے الگ ہو کر ان اقالیم میں غلبہ حاصل کر لیا جن میں شعراء TROWBADOUR پیدا ہوئے جو خالص عربی شعراء کے نہج پر چلنے والے تھے حتیٰ کہ بعض مستشرقین کی رائے کے مطابق ان کا نام بھی کلمہ "طرب" سے ماخوذ ہے جو خالص عربی ہے۔ اس سے بڑھکر ایک اور بین ثبوت تواریخ کی ورق گردانی کرنے کے بعد ہاتھ آیا ہے کہ اہل یورپ نے عربوں کے منظوم و منثور ادب سے حریت کا جو نمونہ پایا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اسے دیکھکر انہوں نے لاطینی وافریقی ادب کے قدیم ذخیروں کو خیرباد کہہ دیا اور یہیں سے صقلیہ اور اقلیم بروفنس میں شعری بیداری پیدا ہوئی جو عرب اور یورپ کے درمیان سماجی اور ثقافتی تعلقات کی خوش گواری کا بہترین منظر تھی۔

عربی تہذیب کی عالمی تہذیب پر اثر اندازی کا یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ اس موضوع پر یہ چند جملے ان فیوض کی ترجمانی نہیں کر سکتے جو عربی تہذیب نے تہذیب عالم خصوصاً یورپ پر عام کئے ہیں۔ جن کی تفصیل کیلئے بڑی بڑی ضخیم کتابیں درکار ہیں۔